# سُورَۃُ النّاسِ

## عربی متن — با محاورۃ اُردو ترجمہ و تفسیر

اِفادات

الحافِظ علامہ نُورالدین

مدیر

عَبدالمنان عُمر و امتہ الرحمٰن عُمر

# سُورَةُ النَّاسِ - ﴿۱۱۴﴾ - مَكِّيَّةٌ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کا نام لے کر جو بے حد رحمت والا، بار بار رحم کرنے والا ہے

(میں سُوْرَۃُ النَّاسِ پڑھنا شروع کرتا ہوں)

| | |
|---|---|
| قُلۡ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿١﴾ | ۱۔ کہہ دیجئے: میں لوگوں کے رب کی پناہ مانگتا ہوں، |
| مَلِكِ النَّاسِ ﴿٢﴾ | ۲۔ لوگوں کے بادشاہ کی، |
| إِلٰهِ النَّاسِ ﴿٣﴾ | ۳۔ لوگوں کے معبود کی، |
| مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ الۡخَنَّاسِ ﴿٤﴾ | ۴۔ (وسوسہ ڈال کر خود) پیچھے ہٹ جانے والے کی وسوسہ اندازی کے شر سے بچنے کے لئے۔ |
| الَّذِي يُوَسۡوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ﴿٥﴾ | ۵۔ جو لوگوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے، |
| مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿٦﴾ | ۶۔ جنوں اور انسانوں میں سے۔ (ع 1 6 39) |

**خلاصہ مضمون**: یہ مکی سورۃ اور اس سے پہلے سورۃ مل کر مُعَوَّذَتَین کہلاتی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں لانے والی دو سورتیں کیونکہ ان میں ظاہری اور باطنی غرض ہر قسم کی خرابیوں اور بُرائیوں سے بچنے کا طریق بتایا گیا ہے اور یہ ایک دوسرے کے مضمون کی تکمیل کرتی ہیں۔ سورۃ الفلق میں انسان کے جسمانی فوائد کے واسطے دعا پر زور تھا، اس سورۃ میں اس کے روحانی فوائد کا خصوصی ذکر ہے۔ پھر شر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک خارجی اور دوسری داخلی۔ سورۃ الفلق میں خارجی اور اس سورۃ میں داخلی شرور سے حفاظت کی دعا مانگی گئی ہے۔ پھر ربوبیت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک روحانی اور دوسری جسمانی۔ سورۃ الفلق میں جسمانی ربوبیت کی روکوں کو دور کرنے کے لیے دعا کی گئی ہے اور اس سورۃ میں روحانی ربوبیت کی راہ میں جو روکیں پیدا ہو سکتی ہیں ان سے پناہ کی دعا ہے۔

یہ قرآن مجید کی آخری سورۃ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات یعنی رب، ملک، الٰہ بیان کی گئی ہیں اور ان ہر سہ صفات کے اس پَرتَو کی طرف بالخصوص اشارہ کیا گیا ہے جس کا تعلق انسان کے ساتھ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ خدا جس نے انسان کو پیدا کیا ہے، اسے تمام ظاہری اور باطنی قویٰ عطا فرمائے اور ان قویٰ کی تربیت اور ان سے کام لینے کے لیے ہر قسم کے سامان مہیا کیے ہیں اور وہ خدا جو اس کا حقیقی بادشاہ ہے، اس کے قبضہءِ قدرت میں تمام زمین اور آسمان کی کل ہے، تمام انسانوں کے دل بھی اس کے قابو میں ہیں۔ وہی اس لائق ہے کہ ہمارا الٰہ اور معبود ہو۔

پتھر کے بت تو خود ہمارے اپنے بنائے ہوئے ہیں، ہم خود ان کی تربیت کرتے ہیں۔ ان پر حکومت کرتے ہیں، جہاں چاہیں انہیں رکھ دیتے ہیں اور جہاں سے چاہیں انہیں اٹھا لیتے ہیں۔ جس شکل میں چاہیں انہیں گھڑ لیتے ہیں۔ برہمن کے قبضے میں آجائے تو اس نے انہیں زری کے لباس پہنا دیئے اور سونے چاندی کے زیوروں سے مرصع کر دیا اور محمود غزنوی کے ہاتھ لگے تو اس نے انہیں کاٹ کر جوتیاں رکھنے کے لیے دہلیز کے باہر گاڑ دیا۔ کیتھولک پادری نے اس پر سونے کا گلٹ کیا اور گرجے کی سب سے اعلیٰ جگہ میں اسے سجایا تو اس کے پروٹسٹنٹ بھائی نے اپنے باپ دادا کی بیوقوفی پر مضحکہ اڑانے اور سامان عبرت بنانے کے لیے انہیں عجائب گھروں میں رکھ دیا۔ باقی رہے عناصر اور حیوان اور انسان جن کی بعض سادہ لوح لوگ پوجا کرتے ہیں سو سب کے سب خود محتاج تھے اور اپنی اپنی عمر گزار کر مر گئے۔ نہ ان میں سے کسی نے ہماری ربوبیت کی اور نہ کوئی ہمارا مالک اور ملک تھا۔ ظاہری بادشاہوں کی حکومت ظاہری حالات پر ہے۔ چور چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا تو اسے سزا مل گئی۔ لیکن چور جب چوری کی نیت کرتا ہے اس وقت اس کی نیت اور ارادے کو بجز اللہ تعالیٰ کے کون جان سکتا ہے۔ پس حقیقی بادشاہ وہی ہے، حقیقی رب وہی ہے اور وہی حقیقی الٰہ اور معبود ہے۔

اس دعا میں انسان اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر اپنے مولیٰ کے ساتھ اپنے تعلقات کو یاد کرتا ہے۔ انسان کو سب سے پہلے پرورش کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر کوئی دوسرا پرورش کرتا بھی ہے تو اس کی تربیت میں بہت سے نقص رہ جاتے ہیں۔ ماں، باپ، استاد، دوست، احباب سے اس سلسلے میں کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ مادی طور پر دیکھا جائے تو پوری اور متوازن غذا نہ ملے تو انسان لاغر ہو جاتا اور اس کی بہت سی طاقتیں زائل ہو جاتی ہیں اور وہ متعدد امراض میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ پھر رزق کی خاطر انسان چوری کرتا، ڈاکے ڈالتا، رشوت دیتا لیتا اور خیانت کرتا ہے اور اپنی اخلاقی حالتیں تباہ کر لیتا ہے۔ غذا زیادہ استعمال کرلے تو بھی بیمار ہو جاتا ہے۔ ذاتی حالت سے نکل کر اجتماعی زندگی میں اسے ایک حکومت کی ضرورت ہے۔ حکومتیں بھی ناقص، ظالم اور کمزور ہو سکتی ہیں۔ سوم انسانی فطرت میں ایک معبود کی طلب رکھی گئی ہے۔ اس طلب میں لوگ دھوکا کھاتے ہیں اس لیے اس بے راہ اور کوتاہی سے بچنے کے لیے دعا کی تلقین کی ہے اور دعا سکھائی ہے کہ الٰہی ہر حال میں تو ہی میرا رب، تو ہی میرا بادشاہ اور تو ہی میرا محبوب، مطلوب اور معبود ہے اور شیطان جو آپ کی ربوبیت، بادشاہت اور عبادت کے خلاف جو وسوسے ڈالتا رہتا ہے مجھے اس کے بد عواقب سے بچا۔ رَبِّ النَّاس میں صغر سنی کی حالت مد نظر ہے۔ مَلِكِ النَّاسِ میں متوسط عمر اور اِلٰہِ النَّاسِ میں بڑھاپے کی حالت۔ اس سورۃ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انسانی دماغ میں وسوسے تو پیدا ہوتے رہتے ہیں پس جب تک تو انسان ان کے شر سے بچا رہے یعنی انہیں اپنے دل میں جگہ نہ دے، ان پر عزیمت نہ اختیار کرے اور ان پر قائم نہ ہو تب تک تو خیر ہے لیکن ان کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے دعاؤں کی طرف توجہ رکھنی چاہیے۔ انسان پر شیطان کے حملوں کے تین پہلو ہیں۔ اول: اس جہت سے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے مقابلے میں مخلوق میں سے کسی کو اپنا پرورش کرنے والا سمجھ لیا جائے؛ دوم: اس جہت سے کہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کے مقابلے میں کسی دوسرے کی بادشاہت کے آگے انسان جھک جائے؛ سوم: اس جہت سے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کسی دوسرے کو محبوب، مقصود اور مطلوب سمجھ لیا جائے۔ اس سورۃ میں ان تینوں راہوں کو بند کرنے کی دعا کی تلقین کی گئی ہے۔

قرآن مجید کی اس آخری سورۃ کا مضمون آخری زمانے میں ایک بڑے فتنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا بھی حکم دیتا ہے۔ وہ فتنہ خناس و دجال کا فتنہ ہے۔ یعنی فتنۂ عیسویت جو بذریعہ وساوس صُدُوْرِ النَّاسِ پر حملہ کرتا ہے۔ یہ وسوسے ڈالنے والے خناس دو قسم کے ہیں۔ ایک ظاہری رنگ میں مثلاً عیسائی مشنوں کے بعض پادری صاحبان جن کے وساوس موٹے رنگ کے ہر طرح کے کذب اور بہتان کے ساتھ ہیں۔ یہ خناس تو ناس میں سے ہے۔ لیکن ایک بڑا خناس جو شر میں اس سے زیادہ سخت ہے لیکن اپنی شرارت میں کسی قدر مخفی ہے (اس واسطے اسے جن کہا ہے) وہ اس زمانہ کے جھوٹے فلسفی اور جزوی اور ناقص سائنس دان ہیں، جو حقیقی فلسفہ اور حقیقی سائنس سے بے خبر ہیں اور تعلیم یافتہ گروہ کو خفیہ رنگ میں دہریت کی طرف کھینچ رہے ہیں۔ یہ بظاہر مذہب سے اپنے آپ کو بے تعلق ظاہر کرتے ہیں مگر باطن میں مذہب کے سچے اصول کو اکھاڑنے کے درپے ہیں، ان دونوں متفنّیوں کے شر سے بچنے کی دعا اس سورۃ میں تلقین کی گئی ہے۔

اس سورۃ میں اخلاق فاضلہ کی تکمیل کی راہوں کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے۔اس میں تین قسم کے حقوق کا ذکر ہے۔کچھ شخصی اور انفرادی حقوق ہیں جن کا تعلق ربوبیت سے ہے۔ حقیقی رب تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن عارضی اور ظلی طور پر بعض اور وجود بھی ربوبیت کے مظہر ہوتے ہیں، مثلاً جسمانی طور پر والدین، جیسے قرآن مجید میں دوسری جگہ فرمایا: وَ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا (بنی اسرائیل، ۲۴:۱۷)۔ دراصل یہ بھی ارحم الراحمین کی ربوبیت کا راز ہے کہ ماں باپ بچوں سے ایسی محبت کرتے ہیں۔ مَلِكِ النَّاسِ سے لوگوں کو متمدن دنیا کے اصول سے واقف کیا گیا ہے۔ حقیقی بادشاہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر اس میں اشارہ ہے کہ ظلی طور پر حکومتوں کے جائز حقوق تلف نہ کرو۔ پھر مذہبی وفاداریوں کی طرف توجہ دلائی ہے لیکن ان سب کو حقوق اللہ ہی کے تحت رکھنا چاہیے۔اس سورۃ میں پانچ بار النَّاس کا لفظ آیا ہے۔اس بارے میں علامہ نسفیؒ نے لکھا ہے کہ یہاں سب سے پہلے جو لفظ ناس آیا ہے اس سے اطفال اور بچے مراد ہیں۔ ناس ثانی سے نوجوان، ثالث سے بوڑھے لوگ، چہارم سے صالحین اور نیک لوگ اور پنجم سے مفسدین مراد ہیں۔

اس سورۃ کا ایک خاص نکتہ معرفت یہ ہے کہ اس سورۃ کے شروع میں انسان کا لفظ تین بار آیا ہے۔اور ہر بار اللہ تعالیٰ کا ایک جدا جدا نام اور علیحدہ صفت اس کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ پہلی دفعہ رَبِّ النَّاسِ کہا ہے، دوسری بار مَلِكِ النَّاسِ فرمایا ہے اور تیسرے موقعہ پر اِلٰهِ النَّاس مذکور ہوا ہے۔ یہ ہر سہ صفات الٰہیہ انسان کی تین مختلف حالتوں کی طرف اور اللہ تعالیٰ کے تین فیضانوں کی طرف جو انسان کی ان حالتوں پر وارد ہوتے ہیں اشارہ کرتی ہے۔ انسان بلحاظ اپنی روحانی ترقی یا تنزل کے تین درجے رکھتا ہے۔ سب سے ادنیٰ درجہ کا انسان وہ ہے جسے کچھ خبر ہی نہیں کہ حصول نیکی اور حصول معرفت الٰہی کیا شئے ہے اور وہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ ایسے شخص کی نظر میں نیکی بدی سب برابر ہے۔ اگر وہ بدی کرتا ہے تو اسے کچھ فکر نہیں ہوتا کہ میں بدی کر رہا ہوں اور اس کے عواقب کیا ہیں۔ نفس امارہ اس پر حکمران اور مسلط ہوتا ہے اور وہ پوری طرح اس کے احکام کا تابع اور اس کا فرمانبردار ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان سب کے واسطے بھی رَبِّ النَّاسِ ہے یعنی وہ سب کی پرورش کرتا ہے۔ جو لوگ اسے نہیں مانتے اور دہریہ ہیں اور بُرائی کی تلقین کرنے والے نفس کے تابع ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے دائرہ ربوبیت میں ہیں۔ گو ایسے لوگ اگر اپنی حالت کو نہیں بدلتے تو ان پر ایک وقت عذاب کا بھی آخر آ جاتا ہے۔ مگر اس سے پہلے (بلکہ در حقیقت اس کے بعد بھی) وہ سب اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ بارش برستی ہے تو نیک و بد سب کے کھیت سیراب ہوتے ہیں۔ سورج نکلتا ہے تو کافر و مومن سب کو روشنی دیتا ہے۔ ہوا چلتی ہے تو مسلم و غیر مسلم سب کو اپنا فائدہ پہنچاتی ہے۔ اس جہت سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عام ہے۔

درمیانی درجہ کے لوگ جو درجہ ادنیٰ سے اوپر کے درجہ میں ہیں وہ ہیں جنہیں معرفت الٰہی کا شوق پیدا ہو گیا ہے۔ انہوں نے جان لیا ہے کہ نیکی عمدہ شے ہے اور وہ خواہش رکھتے ہیں کہ اپنی موجودہ حالت سے نکلیں، ترقی کریں اور آگے قدم بڑھائیں، بدیوں کو چھوڑ دیں اور نیکیاں اختیار کریں لیکن ان کا نفس امارہ کسی کسی وقت ان پر غالب آ جاتا ہے۔ وہ بُرائیوں سے پرہیز کرتے ہیں مگر بسبب کمزوری پر بھی کسی نہ کسی وقت بُرائیوں میں گر جاتے ہیں۔ اٹھتے ہیں اور پھر گر جاتے ہیں، پھر اٹھتے ہیں پھر گر جاتے ہیں۔ یہی حالت ان کی ہوتی رہتی ہے۔ وہ دل میں سچی توبہ کرتے ہیں اب آئندہ یہ بُرا کام نہیں کروں گا لیکن نفس امارہ کے غلبہ کے وقت پھر ارتکاب کر بیٹھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی غفاری اور ستاری کی طرف پھر جھکتے ہیں۔ وہ اقرار کرتے ہیں کہ وہ ایک حقیقی بادشاہ مَلِكِ النَّاسِ کی حکومت کے ماتحت ہیں۔ ان کا نفس لوّامہ انہیں بُرائیوں کے ارتکاب پر ملامت کرتا رہتا ہے۔ وہ گاہے بگاہے غلطی کر بیٹھتے ہیں لیکن اس غلطی پر راضی نہیں رہتے۔

اس سے بڑھ کر درجہ والے وہ لوگ ہیں جو ہر طرح سے تمام گناہوں سے مجتنب ہیں۔ ان کے نفسانی جذبات ٹھنڈے ہو چکے ہیں۔ اب کوئی بُرائی انہیں نہیں ستاتی اور دکھ نہیں دیتی بلکہ وہ آرام و اطمینان کے ساتھ اپنے معبود کی بندگی میں مصروف ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا معبود اور مقصود اور محبوب ٹھہرا چکے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نفس مطمئنہ رکھتے ہیں اور ان کے افعال، احوال، خیالات اور عبادات وغیرہ میں ان کا مقصود و مطلوب صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اِلٰهِ النَّاسِ ہے۔ انسان کے ان ہر سہ درجات اور حالات کی طرف اس سورۃ میں توجہ دلائی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تین صفات یعنی رَبِّ النَّاسِ، مَلِكِ النَّاسِ،

اِلٰہِ النَّاسِ کو خصوصاً پیش کیا ہے۔ ان تینوں کا تعلق انسان کی تین مختلف حالتوں کے ساتھ ہے۔ یعنی نفس امّارہ، نفس لوّامہ اور نفس مطمئنہ کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ نے رَبِّ النَّاسِ ہو کر انسان کے نفس امّارہ کی اصلاح کا سامان کیا ہے اور اسے ادنیٰ جذبات و خواہشات کی غلامی سے نکالا ہے۔ مَلِکِ النَّاسِ ہو کر اسے مہذب اور بااخلاق بنانے کے لیے قرآن شریف کے ذریعہ وہ تمام قوانین بنائے ہیں جنہیں سیکھے بغیر انسان اس کائنات پر تہذیب، اخلاق اور علم و حکمت کے ساتھ حکمرانی نہیں کر سکتا اور اِلٰہِ النَّاسِ ہو کر اس نے قرآن مجید ہی کے ذریعہ وہ تمام راہیں سکھائی ہیں جن سے انسان نہ صرف مہذب اور بااخلاق انسان بنتا ہے بلکہ باخدا انسان بن جاتا ہے اور اپنا معبود، محبوب اور اپنی ساری زندگی کا مقصود اور مطلوب محض اللہ تعالیٰ کو بنا لیتا ہے۔ اور پھر یہ بھی بتایا ہے کہ انسان کا بچپن اور اس کی جوانی اور بڑھاپا تینوں حالتیں اللہ تعالیٰ کی محتاج ہیں۔

قُلۡ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿۱﴾

۱۔ کہہ دیجئے: میں لوگوں کے رب کی پناہ مانگتا ہوں،

**۱۱۴:۱۔ قُلۡ:** قُلۡ کے لفظ میں قول اور عمل دونوں شامل ہیں۔

**رَبِّ النَّاسِ:** غرض انسان کی تینوں حالتوں، جسمانی، اخلاقی اور روحانی میں ہر جسم کا مربّی، قویٰ کا مربّی اور روح کا مربّی ہے اور اس کو اس سورۃ میں رَبِّ النَّاسِ کہا ہے۔

مَلِكِ النَّاسِ ﴿۲﴾

۲۔ لوگوں کے بادشاہ کی،

**۱۱۴:۲۔ مَلِکِ النَّاسِ:** اور وہ ذات جو جسمانی، اخلاقی اور روحانی افعال، اقوال و اعتقادات پر جزا دیتا ہے تب اس کا نام مَلِکِ النَّاسِ ہے۔

إِلٰهِ النَّاسِ ﴿۳﴾

۳۔ لوگوں کے معبود کی،

**۱۱۴:۳۔ اِلٰہِ النَّاسِ:** اور جب وہ انسان کی اصل غرض، ذاتی محبوب اور غایت مقصود بنتا ہے تو اس کو اِلٰہِ النَّاسِ کہا ہے۔

جس طرح قرآن مجید کے آغاز میں سورۃ فاتحہ میں دوسری صفات الٰہیہ سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا ذکر ہے اسی طرح قرآن مجید کے اختتام پر بھی اس سورۃ میں دوسری صفات الٰہیہ سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا ذکر ہے۔ اس کی یہ وجہ ہے کہ ربوبیت ہی سے انسان کے قیام و بقا میں مدد ملتی ہے اور اسے بتدریج ترقی حاصل ہوتی ہے۔ یہ مخلوقات میں اس کی پہلی اور عام شان ہے۔ پھر اس کے بہت سے تقاضے اور شیون اور مظاہر اور اسباب ہیں اور ربوبیت کمال جسمانی ہی کی مربّی نہیں بلکہ روحانی تکمیل کی بھی مربّی ہے اور زندگی کا ہر نشیب و فراز ربوبیت کی شان کا آئینہ ہے۔ انسان کی ادنیٰ اور جسمانی حالتیں بھی ربوبیت الٰہیہ کی محتاج ہیں۔ حکمت نے صرف آنکھ کی تقریباً پانچ ہزار بیماریوں کا ذکر کیا ہے۔ اسی سے اندازہ کر لو کہ انسان کی جسمانی اور اعلیٰ روحانی حالتوں کے لیے الٰہی ربوبیت کی کتنی ضرورت ہے۔ نبوت کی تربیت اور اسے کمال مطلوب تک پہنچانا بھی اسم رب ہی کا خاصہ ہے۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی ضرورتِ نبوت پر بحث کی گئی ہے دلیل میں صفتِ ربوبیت کا ذکر فرمایا ہے، کیونکہ جیسے اس کی ربوبیت نے انسان کے عالم اجسام کے لیے مختلف قسم کے سامان پیدا کیے ویسے ہی اس کی ربوبیت

کے تقاضے نے انسان کی روح کی تربیت کے لیے جو اصلی مقصود اور ابدی غیر فانی شے ہے مناسب حال سامان مہیا کیے۔ اسی لیے اسے سزاوار حمد بتایا گیا ہے اور اسی لیے اس کے شیون میں سے کلام الٰہی کا نزول اور نبوت کا قیام بھی ہے۔ اسی وجہ سے اسے دعاؤں کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ اکثر دعاؤں میں اس صفت ربوبیت کا استعمال ہوا ہے۔ اسی بناء پر ان دونوں سورتوں کے آغاز میں اسے مقدم کیا گیا ہے۔ سورۃ الفلق میں رَبِّ الْفَلَقِ کا ذکر ہے اور سورۃ الناس میں رَبِّ النَّاسِ کا۔

انسان مختلف چیزوں سے متاثر ہوتا ہے۔ حالتِ حمل میں بلکہ اس سے بھی پہلے ماں باپ کے بُرے خیالات، ناپاک غذا، غلط صحبت، بعض لباس، بعض کتابیں بلکہ ان کے مصنفوں کے غلط تصورات وجذبات خواہ کتاب کے نفس مضمون میں ان کا ذکر بھی نہ ہو متاثر کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض لباس اور بعض مکان بھی بُرے اثرات ڈالتے ہیں۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کی سفر میں ایک جگہ صبح کے وقت نماز فوت ہوگئی تو آپ نے فوراً وہاں سے کوچ کر دیا۔ غرض انسان کو استغفار اور استعاذہ پر مداومت چاہیے۔ قرآن مجید کے اختتام میں معوذتین کو لانے میں ایک حکمت یہ بھی ہے۔

اس سورۃ کے ابتدا میں باری تعالیٰ نے اپنے تین نام ظاہر فرمائے ہیں۔ یہ دراصل انسان کی تین جسمانی، اخلاقی اور روحانی حالتوں کا بیان بھی ہے۔ ابتدا میں انسان ایک جسم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا (النحل،۷۸:۱۶) اور بے ریب انسان کا بچہ جب ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے تو بجز اس کے کہ اسے جسمانی ضرورتیں سب سے پہلے پیش آتی ہیں اور کن علوم کی اس کو ضرورت ہے۔ اور بالکل ظاہر ہے کہ اگر مولیٰ کریم رب العالمین انسان کی ربوبیت نہ فرماوے اور چوسنے پھر گلے سے اتارنے کا علم نہ بخشے، پھر ہضم کی نالیاں اس غذا پر تصرف نہ کریں پھر شریانوں اور پھیپھڑوں میں خون مصفی ہو کر جزو بدن نہ ہو انسانی نشوونما کا کیا ٹھکانا ہو۔ اسی طرح جسمانی غذا میں ماں کی چھاتیوں اور حیوانات کے عمدہ دودھ میسر نہ آویں تو نوزائدہ بچے کے بارے میں کسی کامیابی کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ اسی طرح روشنی اور ہوائیں عمدہ طور پر اسے نہ پہنچیں تو اس کی جاں بری کس طرح ہو سکتی ہے۔ انسان کی اس حالت پر نظر کرو جو اس کی نطفگی کی حالت میں لاحق ہے۔ اور پھر انسان کی اس کمال استواری پر نظر کر جاؤ جس میں وہ اپنے دائرہ کمال کی تکمیل کرتا ہے اور پھر انصاف سے دیکھو کہ یہ تمام سامان کمالاتِ جسمانیہ اپنے اصول وفروع سے کس نے عطا کیے ہیں تو آپ یقین کریں گے کہ ایک رَبِّ النَّاسِ ہے جس نے اس کو ایک طرف جذب مواد طیبہ کی طاقتیں عطا فرمائی ہیں دوسری طرف مواد طیبہ کا بے انتہا خزانہ مہیا کر دیا ہے۔ چونکہ وہ ذات پاک طیب اور خبث و نجاست سے منزہ ہے اس لیے اس نے انسان کی جسمانی حالت کی ترقی کے لیے بھی کیسے کیسے اسباب طیبہ مہیا کر دیئے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کا رب العالمین ہونا ہے۔

جب انسان اپنی جسمانی حالت کی ایک حد تک تکمیل کر لیتا ہے تو اس کی عمدہ پرورش کے بعد انسان کے اخلاق کا نشوونما ہوتا ہے۔ کبھی اس کو انواع و اقسام کی خواہش پیدا ہوتی ہیں س لیے رنگ رنگ خوراک کے لیے قسم قسم کے غلے، پھل، پانی، عرق، شیرینیاں اور ترشیاں جمع کرتا ہے۔ پینے کے واسطے اور ایسا ہی گرمی، سردی، ہوا، روشنی، بارش اور گرد و غبار سے بچنے کے لیے، ایسا ہی محنت و مزدوری اور جنگ وغیرہ حالات مختلفہ کے لیے اسے مختلف اسباب مہیا کرنا پڑتے ہیں۔ اپنے آرام کی خاطر اسے مکانات بنانا ہوتے ہیں جس میں انسان کو گرمی، سردی، غبار، بارش کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ اپنی مختلف ضروریات کے واسطے مختلف قسم کی چیزیں رکھنا چاہتا ہے۔ قوائے شہوانیہ اور بقائے نسل کے خیال سے اس کو اپنے جوڑے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ قوائے غضبیہ کو بھی اسے جوش میں لانا پڑتا ہے۔ جب دیکھتا ہے کہ اس کی اغراض اور مطالبہ ضرور یہ صحیحہ میں کوئی روک ڈالتا ہے تو انسان کو اپنے مطالب جسمانیہ اور اخلاقیہ میں گاہے قوت، استقلال اور محبت بلند کے ساتھ شجاعت اور بہادری سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ اور جب اس کے بنی نوع سے کوئی اس کا مقابلہ کرتا ہے اور اس کے اغراض و مطالب پر حملہ کرتا ہے تو اس کو بادشاہوں اور حکام کی احتیاج پڑتی ہے اور کبھی حکام میں سے اس کا محتاج الیہ حاکم، قوت عدل وانصاف، رحم، شفقت، غور وفکر سے کام نہیں لیتا تو اس کی فطرت کو ایک ایسی عظیم الشان طاقت کی طرف جھکنا پڑتا ہے جو سب حکام کا حاکم اور سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ انسان اس کے حضور گڑ گڑاتا

ہے کہ میرے دشمنوں اور میرے ظالم حاکموں کا تو انصاف کر اور میرے مطالب و مقاصد میں تو میرا انصاف فرما۔اس عظیم الشان بادشاہ کا نام مَلِکِ النَّاسِ ہے۔

نیز خود انسان کے لیے اگرچہ اکثر اوقات ایسے بادشاہ ہوتے ہیں جو اس کو جرائم کے ارتکاب اور امن کی خلاف ورزی پر سزا دیتے ہیں مگر بعض جگہ اور بعض موقعوں پر یا تو حکام و بادشاہ موجود ہی نہیں ہوتے اور بعض مکانات اور میدانوں اور پہاڑوں میں ایسا اتفاق ہوتا ہے اور غیر مہذب بلاد میں تو اکثر ایسے مواقع پیش آتے رہتے ہیں۔ نیز ارتکاب جرم کے وقت اگر دنیوی حکام اور ناظم اگرچہ اپنی قوانین کی رو سے انسان کی اخلاقی حالت اور جسمانی حالت پر اثر ڈال سکتے ہیں۔ مگر انسان کے ان اندرونی جوشوں پر جس کے باعث کوئی انسان جرم کا ارتکاب کرتا ہے ایک ایسی زبردست طاقت کا اعتقاد انسان کی اخلاقی حالت کی اصلاح کے لیے ضروری ہے جس کی نگہبانی پر یقین انسان یہاں تک بڑھا ہوا ہو کہ وہ انسان کے موجودہ اور آئندہ ارادوں کا علم رکھتا ہے اور یہ بھی کہ وہ بداخلاق کو بھی سزا بھی دے سکتا اور دیتا ہے۔اس کا نام اس سورۃ میں مَلِکِ النَّاسِ ہے۔ کیا معنی یہ وہ بادشاہ جو انسان کے قویٰ علمیہ اور عملیہ اور انسانی علم و عمل اور انسانی کرم اندریوں بلکہ گیان اندریوں پر حکمران ہے۔ پھر جسمانی اور پھر اخلاقی حالتوں کی اصلاح و تکمیل کے بعد انسان کی روحانی حالت زور پکڑتی ہے اور ظاہر ہے کہ جب انسان کا جسم کمال کو پہنچا اور ہر قسم کی رکاوٹ سے چھوٹ گیا تو انسان کو اخلاق فاضلہ کی ضرورت ہے اور جب جسم و اخلاق دونوں کمال کو پہنچ جائیں تو اب اس کو ابدی اور لازوال آرام کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اگر بقاء کی خواہش انسان کی جبلت میں نہ ہوتی علم طب کی یہ ترقی ہم نہ دیکھتے جو آج نظر آتی ہے۔ روح کی کامل محبت اور پورا پیار اور پوری چیز جس میں روح کو کامل طمانینت ملتی ہے اس کا اسلام میں نام ہے اللہ۔ اور تمام تعلقات سے خواہ جسمانی ہوں خواہ اخلاقی، اندرونی ہوں یا بیرونی، جب انسان کو آرام نہیں ملتا تو جو نام انسان کے لیے راحت بخش ہے اس کا نام اِلٰہِ النَّاسِ یعنی انسان کا اصل مطلوب اور غایت درجہ کا محبوب اور معبود۔

غرض انسان کی تینوں حالتوں، جسمانی، اخلاقی اور روحانی میں ہر جسم کا مربّی، قویٰ کا مربّی اور روح کا مربّی ہے اور اس کو اس سورۃ میں رَبِّ النَّاسِ کہا ہے اور وہ ذات جو جسمانی، اخلاقی اور روحانی افعال، اقوال و اعتقادات پر جزا دیتا ہے تب اس کا نام ہے مَلِکِ النَّاسِ اور جب وہ انسان کی اصل غرض، ذاتی محبوب اور غایت مقصود بنتا ہے تو اس کو اِلٰہِ النَّاسِ کہا ہے۔

اب غور فرمائیں کہ جب ہر صورت میں انسان کی تینوں حالتوں، طبعی، اخلاقی اور روحانی حالتوں کی طرف اشارہ کر کے اللہ کریم نے فرمایا کہ رب بھی میں ہوں اور بادشاہ بھی میں ہوں اور محبوب و مطلوب اور غایت مقصود بھی میں ہوں تو میرے بندو مجھ کامل اور پاک ذات کی پناہ مانگ لو اور کہہ دو۔ ہاں ہر ایک انسان تم میں سے کہہ دے کہ میں ربوبیت میں، ضرورت حکومت میں اور ضرورت محبت میں رَبِّ النَّاسِ، مَلِکِ النَّاسِ اور اِلٰہِ النَّاسِ کی پناہ مانگتا ہوں اور پناہ بھی کس امر میں، مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاس مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ۔ وَسْوَاسِ نام ہے ہر ایسی چیز کا جس کا بُرا ہونا ہم سے مخفی رہ گیا اور جس کی بدی سے ہم بے خبر رہے اور اس کی شرارت ہمارے جسم پر یا اخلاق پر یا روحانی معاملات پر اثر ڈالتی ہو یا اس نے اثر ڈالا ہو اور ہمیں اس کی اطلاع نہ ملی ہو چاہے وہ مخفی چیز ہو چاہے وہ انسان ہاں شیطان بصورت انسان ہو۔ انہی تین صفات اور حالتوں کے ماتحت انسانی جسم، اخلاق اور روح کی تکمیل ہوتی ہے۔ انسان کے ان ہر سہ درجات اور حالات جن کی طرف اس آیت میں اشارہ دیا گیا ہے۔ ان تینوں کو صوفیا اسلام نے اپنے تجربہ کردہ باتوں کے ذکر کے ساتھ عجیب عجیب پیرایوں میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ حافظ شیرازیؒ نے نفس لوّامہ کی مشکلات پر نگاہ کر کے اس مضمون کو اپنے اس شعر میں ادا کیا ہے۔ اوّل و آخر قرآن زچہ با آمد و س یعنی اندر دو جہاں رہبر ما قرآن بس

اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات بیان کر کے استعاذہ کیا گیا ہے جبکہ پچھلی سورۃ میں بِرَبِّ الْفَلَقِ کہہ کر صرف ایک ہی صفت کا ذکر تھا۔ وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں روحانیات پر جو بلائیں وارد ہوتی ہیں ان سے استعاذہ ہے اور سورۃ الفلق میں عموماً جسم پر جو بلائیں آتی ہیں ان سے پناہ مانگی گئی ہے۔ روح کو بقائے ابدی ہے جبکہ جسم فانی ہے۔ آج نہ فنا ہوا کل سہی۔ اس لیے اس سورۃ میں اس کی بہت حمد کی اور اس کی متعدد صفات کا ذکر کیا۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ﴿٤﴾

۴۔ (وسوسہ ڈال کر خود) پیچھے ہٹ جانے والے کی وسوسہ اندازی کے شر سے بچنے کے لئے۔

**۱۱۴:۴۔ الْوَسْوَاسِ:** یہ وسوسہ سے فعلان کے وزن پر صفت ہے، مصدر نہیں۔ وسوسہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی کے دل میں بُرے خیالات ایسے طریق سے پیدا کر دیئے جائیں کہ جس کے دل میں وہ بُرے خیالات ابھر رہے ہیں اسے احساس بھی نہ ہو کہ اسے بُرائی کی طرف مائل کیا جارہا ہے۔ خود وسواس کے لفظ میں تکرار کا مفہوم شامل ہے۔

**الْخَنَّاسِ:** یہ خنُوس سے مبالغہ کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں سامنے آنے کے بعد پیچھے ہٹ جانا (لسان العرب)۔ خناس شیطان کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے (رازیؒ)۔ جب شیطان سانپ کی سیرت پر قدم مارتا ہے اور کھلے کھلے اکراہ اور جبر سے کام نہیں لیتا اور سراسر مکر، فریب اور وسوسہ انگیزی سے کام لیتا ہے اور اپنی نیش زنی کے لیے نہایت پوشیدہ اور پراسرار راہیں اختیار کرتا ہے۔ حدیث میں ہے: الشَّيْطَانُ يُوَسْوِسَ الى العبد فَاِذَا ذَكَرَ اللهَ خَنَسَ یعنی شیطان انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتا رہتا ہے لیکن جب انسان اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

عبرانی میں اس کا نام نحاش ہے۔ چنانچہ توریت کے ابتداء ہی میں لکھا ہے کہ نحاش نے حوا کو بہکایا۔ قرآن مجید کی اس آخری سورت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہی نحاش آخری زمانے میں پھر ظاہر ہوگا۔ اس خناس یا نحاش کا دوسرا نام دجال ہے۔ گویا آخری زمانے میں شیطان اور آدم کے درمیان ایک خطرناک جنگ ہوگی جس میں بالآخر شیطان مغلوب ہوگا۔ چنانچہ یہ جنگ شروع ہے اور وہ وقت قریب ہے کہ خناس نامراد ہو۔ یسوع کو خدا بنانے اور اس کی پوجا کرنے کا فتنہ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہلے سے موجود تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعثت کبریٰ نے اس کی خرابیوں کو دنیا پر ظاہر کر کے اس کا زور توڑ دیا تھا یہاں تک کہ انوار اسلام کی چمک سے کچھ حصہ پا کر عیسائی اقوام میں اس قسم کے ریفارمر پیدا ہو گئے جنہوں نے اپنی قوم سے یسوع اور مریم کے بت بنانے اور بتوں کی پوجا کرنے کی رسم مٹانے کی کوشش کی اور اس کوشش میں بہت کچھ کامیابی بھی حاصل کی۔ جرمنی کے لوتھر نے قرآن مجید ہی سے متاثر ہو کر عیسائیوں میں اصلاح کی تحریک شروع کی تھی۔ دوسری طرف لاکھوں عیسائی اپنے مذہب کی خرابیوں سے آگاہ ہو کر اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ لیکن آخری زمانہ میں وہی عیسائیت کا فتنہ ایک نئے رنگ میں جس میں خناسیت پائی جاتی ہے مخلوق کے سامنے آموجود ہوا ہے اور چاہتا ہے کہ مسلمانوں کو اسلام اور قرآن سے ہٹا کر اپنی گمراہی میں ڈال دے۔ یہ خناس تعلیم دیتا ہے کہ ہمارا رب یسوع مسیح ہے چنانچہ عیسائیوں کی کتابوں میں لکھا ہوا ہوتا ہے ربنا المسیح اور یسوع کا نام عیسائیوں کی کتابوں میں بادشاہ اور ملک بھی ہے اور اس کی عبادت بھی کی جاتی ہے۔ گویا وہ رب بھی ہے، ملک بھی ہے اور الٰہ بھی۔ ان عقائد کی بیخ کنی کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رَبِّ النَّاسِ، مَلِكِ النَّاسِ اور اِلٰهِ النَّاسِ وہی ایک خدا ہے جس کی صفات حمیدہ کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے اور جس کی وحدانیت کے بارے میں ان معوذتین سے پہلے کی سورۃ الاخلاص میں بڑا بلند تصور دیا گیا ہے۔

زیر نظر سورۃ کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خروج دجال کا وہ زمانہ ہوگا جب نہ عوام اسلام کی حفاظت کر سکیں گے اور نہ مسلمانوں میں سے کوئی حقیقی حامی دین اسلام کوئی بادشاہ ہوگا اور نہ کوئی حقیقی مربّی اور نہ حقیقی عالم دین۔ اس وقت اسلام کے لیے ہر موقعہ پر اللہ تعالیٰ ہی پناہ ہوگا۔ وہی مربّی، وہی

بادشاہ اور وہی الٰہ اور اس سے دعا اس فتنے کو مٹا سکے گی۔ اس سورۃ سے یہ بھی عیاں ہے کہ شیطان، خناس یا دجال کا انسان پر حملہ تین جہت سے ہوتا ہے۔ کبھی الوہیت کے رنگ میں کہ انسان کو وہ یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب نہیں بلکہ اس کے سوا کوئی اور اس کی پرورش کرنے والا ہے۔ کبھی حکومت کے رنگ میں کہ اللہ تعالیٰ کو حاکم سمجھنے کے بجائے انسان کسی دوسرے کو حاکم سمجھنے لگ جائے اور اس کے آگے جھک جائے۔ کبھی الوہیت اور محبوبیت کے رنگ میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب و مطلوب بنانے کے بجائے مال و دولت، عزت و شہرت، آل و اولاد کو اپنا محبوب و مطلوب بنالے۔ پھر کبھی سامان پرورش و معاش کو گمراہی کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ کبھی حکومت و سیاست کو اور کبھی خدا اور مذہب کے نام پر گمراہی پھیلائی جاتی ہے۔ ان سب راہوں سے بچنا چاہیے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ وسوسہ ہر بُرائی کا آغاز ہوتا ہے پھر یہ وسوسہ اندازی بُرے تصور اور بُری نیت اور ارادے کا رنگ اختیار کر لیتی ہے پھر ارادہ عزم اور پھر عزم بالجزم بن جاتا ہے اور آخری قدم اس بُرائی کا عملی ارتکاب ہے۔ اس طرح اس دعا کا مفہوم یہ ہے کہ الٰہی شر کے آغاز سے بھی بچا اور اس کے انجام سے بھی محفوظ رکھ۔

الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۶﴾

۵۔ جو لوگوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے، ۶۔ جنوں اور انسانوں میں سے۔

**۱۱۴:۵۔ يُوَسْوِسُ:** برائی کی وسوسہ اندازی اندرونی طور پر اپنے نفس کی طرف سے اور باریک در باریک انداز میں بہت ہی چھپے ہوئے اور خفیہ انداز میں دوسروں کی طرف سے بھی ہوتی ہے اور خارجی طور پر کھلے طور پر بڑے اور چھوٹے ہر قسم کے لوگوں کی طرف سے بھی اپنا اثر ڈالتی ہے۔ ان دونوں کی وسوسہ اندازی کا ذکر قرآن مجید میں دوسری جگہ موجود ہے۔ فرمایا: نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ (ق،۱۶:۵۰)۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی دعا بھی ہے: وَنَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا (صحیح بخاری) کہ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے نفس کی بُرائیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ پس ان دونوں وسواس پر نگاہ رہنی چاہیے۔ اس سورۃ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جیسے ہی دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہو تو انسان کو چاہیے کہ فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف جھک جائے کیونکہ جب وسوسہ کے بعد انسان اس پر ارادہ کر لیتا ہے اور کوئی بُرا کام کر بیٹھتا ہے تو شیطان اس پر غالب آکر اپنے پنجے سے اس کا نکلنا مشکل کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اسی مضمون کو قرآن مجید میں دوسری جگہ اس طرح بیان کیا گیا ہے: وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ (الاعراف،۷:۲۰۰) کہ جب کوئی وسوسہ پیدا ہو تو فوراً اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی کوشش کرو۔ ان تمام امور کی طرف دونوں طریق سے توجہ اور کوشش کرنی چاہیے۔ دعاؤں کے ذریعہ بھی اور عملی تدابیر اختیار کر کے بھی کیونکہ قُلْ کے لفظ میں قول اور عمل دونوں شامل ہیں۔

**فِي صُدُورِ النَّاسِ:** اس جگہ فِی قُلُوبِ النَّاسِ نہیں فرمایا بلکہ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ کے الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ صدر کا لفظ قلب کے مقابلے میں زیادہ وسیع ہے۔ صدر گویا قلب کا صحن ہے اور اس سے گزر کر بات دل میں پہنچتی ہے۔ اس طرح اس نکتہ معرفت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ گناہوں ہی سے نہیں بلکہ گناہوں کے قرب سے بھی بچنا چاہیے۔ امام راغبؒ نے لکھا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں بھی قلب کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ علم، عقل اور روحانیت کی طرف اشارہ ہے اور جہاں کہیں صدر کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں ان کے علاوہ ہوائے نفس، شہوات اور ایسے قوائے نفسانیہ کی طرف اشارہ ہے۔

# دُعا ختم القرآن المجید

جب انسان قرآن مجید کی تلاوت ختم کرے تو احادیث میں اس موقعہ کے لیے مختلف دعائیں مروی ہیں۔

اللھم انس وحشتی فی قبری۔ اللھم ارحمنی بالقران العظیم واجعلہ لی اماما ونوراً وھدی ورحمۃ۔ اللھم ذکرنی منہ ما نسیت وعلمنی منہ ما جھلت وارزقنی تلاوتہ اناء اللیل والنھار

واجعلی حجۃ یا رب العالمین

الٰہی قبر میں مجھے اکیلا ہونے سے جو وحشت طاری ہو گی اسے انس و محبت سے بدل دیجیو۔ الٰہی مجھ پر قرآن مجید کے ذریعہ رحم فرما۔ اسے میرا پیش رو اور میرے لیے نور، ہدایت اور رحمت پانے کا ذریعہ بنا۔ الٰہی جو کچھ میں قرآن مجید کے الفاظ و مطالب میں سے بھول جاؤں وہ مجھے پھر سے یاد دلا دے اور قرآن مجید میں سے جو میں نہیں جانتا وہ مجھے سکھا دے۔ رات اور دن اس کی تلاوت کے مواقع مجھے عطا فرما اور اے رب العالمین اسے میرے لیے حجت بنا۔ آمین